صلوٰۃ موٴقت

از اورنگزیب یوسفزئی

بنام جناب عصمت ابو سلیم

بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلمان سر محراب
پوجا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے غریبوں کی وہی نالہ و فریاد

جناب عصمت ابو سلیم نے لاہور سے اس ناچیز کے تحت عنوان مقالے (صلوٰۃ موقت۔ خود فریبی یا خدا فریبی) کے ضمن میں اپنی گراں قدر رائے کا اظہار کیا ہے۔ لفظ"موقوت" کی تشریح کے ضمن میں اس ناچیز نے لفظ کے مادے یعنی روٹ (ثلاثی مجرد) سے بات شروع کرنے کی جو ضرورت محسوس نہ کی تھی، اس پر موصوف نے گرفت کی ہے۔ اسکے علاوہ فنی بنیادوں پر آیت متعلقہ (4/103) کی تحلیل و ترجمہ کو استہزا، کا نشانہ بنانے کی کوشش فرمائی ہے۔ جناب کے فرمودات پر پوری تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ جناب کا تجزیہ علمی ہونے کی بجائے مسلکی تعصب کی غمازی کرتا ہے۔ پہلے سے قائم کردہ غلط عقیدہ پر مبنی ہے۔ مسلکی تعبیرات کو تاویلات سے ثابت کرنے کی تواتر سے جاری کوششوں کی ایک اور روشن مثال ہے۔

اس کمترین کے مقالے کا اصل موضوع و مقصود قرآنی جماعتوں کے فروعی اختلافات رفع کرنا اور اتحاد و اتفاق باہمی کی اشد ضرورت پر زور دینا تھا تا کہ قرآن کی آواز 1400سال کی تاریکیوں کے بعد ایک مرتبہ پھر انقلابی جذبوں کیساتھ بلند کی جا سکے۔ افسوس کہ اس مدعے پر جناب نے ایک لفظ بھی، اشارتاً ہی سہی، رقم نہ فرمایا۔یہی اب تک ہمارا حقیقی

المیہ رہا ہے۔ ہمارے علم، قلم اور زبان کا سارا زور فروعات پر ہے۔ یہی ہماری اولین ترجیحات ہیں جو اختلافات کی آبیاری اور ترویج کرتی ہیں۔ یہ فکری پسماندگی اور اس کا پیدا کردہ تشتت و افتراق ہمارے مختصر سے دانشور طبقے کو امکانات کے بہشت اور مضمرات کے جہنم سے غافل کر چکا ہے۔ اسی رویے سے ہم پر قابض ظالم، جابر اور غاصب آمروں کو بقائے دوام حاصل ہے۔ تمام فتنے اور تمام تر ذلتیں اور رسوائیاں جو آج ہمارا مقدر ہیں، اسی آمریت کے بطن سے جنم لیتی آئی ہیں۔ اور ہمارے غیر تعمیری رویے ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

جناب عصمت کیونکہ اپنے تئیں اہل قرآن میں سے مانتے ہیں، کیونکہ اسی فرقے کی ایجاد کردہ "صلوٰۃ موقت" کی وکالت کا فریضہ جناب نے اپنے ذمہ لیا ہے، اس بنا پر ان کا درجہ ہمارے نزدیک بلند ہے۔ موضوع زیر بحث پر پانچ عدد مقالے اس ناچیز کی طرف سے گذشتہ ڈیڑھ سال کے دوران، قاضی کفایت اللہ اور اللہ دتہ متقی صاحبان کے نام اور کراچی کے ڈاکٹر ازہری کے نام تحریر کئے جا چکے ہیں۔ یہ دراصل مذکورہ حضرات کے بلاغ القرآن میں شائع شدہ مضامین کے جواب میں تحریر کئے گئے تھے۔ مزید لکھنے کی گنجائش کافی کم ہے کہ قلم میں اتنی استطاعت نہیں اور فروعات میں وقت اور توانائی کا ضیاع ہوتا ہے۔ تو جناب محترم کیلئے اتنا ہی عرض کرونگا کہ موضوع زیر بحث بنیادی طور پر صلوٰۃ کے لغوی اور اصطلاحی معانی کی تفہیم سے متعلق ہے جس کو ہمیں قرآن میں اس کے استعمال کے اسلوب اور قرآن کے مجموعی مشن اور پیغام کے پیش نظر ہی سمجھنا ہے۔ پس "موقوت" کے معانی پر ایک نئی طوالانی بحث چھیڑنا ہمارا مقصد نہیں ہونا چاہیئے۔

اتمام حجت کے طور پر عرض کرونگا کہ اگر جناب محترم یہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ:۔

(1) انبیاء علیہم السلام صرف نماز پڑھانے ہی تشریف لاتے تھے اور نماز و دعا سے "خوش "ہو کر اللہ تعالیٰ خود بخود غیبی استعانت سے تمام معاشرتی و سیاسی مسائل حل کروا کر ان کی اقوام کو غلبہ اور مرفع الحالی، اور اس سے قبل ، کردار کی طہارت و بلندی ، عطا کردیا کرتے تھے؛ (2) قرآن میں غالباً 102 مرتبہ لفظ صلوٰۃ اپنے مختلف صیغوں میں اور اسالیب میں صرف اس لئے آیا تھا کہ عمل نماز ہی کی جسمانی حرکات کی تاکید و تسلسل سے مشق کروائی جائے؛ (3)

اور یہ کہ آج بھی بدکرداری ، غربت و افلاس ، بھوک و بے روزگاری، جرائم کی بھرمار ، قابض اشرافیہ کی لوٹ مار، جہالت و پسماندگی، مولوی مافیا ، ذخیرہ اندوز مافیا، خودکش بمبار اور اغوا برائے تاوان مافیا، عالمی سامراج کی غلامی و غیرہ وغیرہ ، پانچ وقت روزانہ ، یا آپکے تین وقت روزانہ، انہاک سے نماز پڑھنے سے دور ہو سکتے ہیں، تو پھر آپ بیشک صلوٰۃ کو نماز جیسا عمل پرستش ہی سمجھتے رہیں، پڑھتے پڑھاتے رہیں اور وقت کے تمام ہنگامی تقاضے فراموش کرتے ہوئے تمامتر توانائیاں اسی سعی لا حاصل پر صرف کرتے رہیں۔ مگر یہ احقر آپ کو یقین دلاتا ہے کہ آپ کی ان نمازوں کا ذرہ بھر بھی فائدہ آپ مسلمانوں کی زندگی پر مرتب ہوتا دکھانے سے قاصر رہینگے ۔ البتہ ہر عمل کیونکہ ایک ردعمل رکھتا ہے اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، اس لئے اس باطل رسم پرستش سے پیدا ہونے والے ہولناک نتائج آپ اوپر بیان کئے گئے عذابوں کی شکل میں روزانہ مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ جو ناقابل تردید ٹھوس زمینی حقائق کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ کیونکہ یہ سب برائیاں کم از کم ایک ارب نمازیوں کی روزانہ دعاؤں کے باوجود بھی موجود ہیں اور بڑھتی جارہی ہیں۔ اسی سبب سے یہ احقر زور دیتا ہے کہ مروجہ نماز بے سود ہے۔ اسکا گناہوں کی فوری مغفرت کانظریہ فتنہ پرور ہے۔ یہ احساس گناہ دور کرنے کا چورن ، ضمیر کی خلش رفع کرنے کا معجون مشفیٰ اور ہر قسم کا بھیانک جرم کر کے چین سے نیند لینے کی خواب آور گولی ہے۔

البتہ اگر اسلاف کی تقلید سے تھوڑی دیر کیلئے اپنے تئیں آزاد کر کے غور فرمائیں تو بات اسطرح واضح ہو گی کہ صلوٰۃ وہ کڑاڈ سپلن، وہ طرزحیات اور وہ نصب العین ہے کہ جس کے بطور منشور نفاذ و پیروی سے ہی سابق انبیاء کرام کی اقوام اور خود مسلماں نے ترقی، عروج اور غلبہ حاصل کیا، دم توڑتی انسانیت کو اس کے پیروں پر کھڑا کر کے استحکام دیا۔ حکومت الہیہ قائم کر کے ربوبیت عامہ (یعنی فلاحی مملکت) کا انسانی کفالت، پرورش اورنشوونما کا نظام قائم کیا۔ "صلوٰۃ" دراصل احکامات الٰہی ہیں اور "عبادت" احکام الٰہی کی اطاعت و فرماں برداری ہے ۔ کہ یہی وہ اسلوب حیات ہے جو تمام دکھوں، تکالیف ، خوف سے انسانیت کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتا ہے اور یہ اسی عمل کا مکمل غیاب و فقدان ہے، اور اس کا غلط مروجہ تصور ہے،

جو ہمارے تمام پیش آمدہ عذابوں اور مصائب کو نسل در نسل دوام بخش رہا ہے۔ یہ من گھڑت نماز ہی تو ہے جو بدترین غاصبوں اور لٹیروں کی حکمرانی اور غلبے کے سامنے پڑھی جا رہی ہے اور ان بدکرداروں کا کوئی سد باب آج تک نہ کرسکی ہے نہ آئیندہ کبھی کر سکے گی ۔ پڑھنے کی ایک بے روح رسم ادا کرنے سے نہ کبھی کچھ ہوا ہے نہ ہوگا۔ پڑھنا بھی وہ ہے جو ہماری بد نصیب قوم میں سے 95% پڑھنے والے یہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اٹھک بیٹھک کی ایک رسم ہے جو ادا کرتے ہیں اور چند منٹ بعد ہی، فریب خوردہ ضمیر لئے ، اپنی اپنی چالبازیوں کی طرف پلٹ جاتے ہیں اور لوٹ مار ،جھوٹ اور منافقت شروع کر دیتے ہیں۔آپ پھربھی اس قسم کی "صلوٰۃ" یا نماز کو فرض گردانتے ہیں اور موجودہ زمینی حقائق سے روگردانی کرتے ہیں، تو آپ جیسے ذی علم کی دانش پر متعجب ہونا ہماری مجبوری ہے۔

جناب کو کتابچہ " تحقیق نماز و صلوٰۃ" قبل ازیں ارسال کر دیا گیا تھا جو نماز کے موضوع پر تا حال کفایت کرتا ہے۔ یہ پاکستان کے طول وعرض میں ہزاروں کی تعداد میں عند الطلب ارسال کیا جا چکا ہے اور اس طلب کا اب تک جاری رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ بیان کردہ مواد حلقہ ہائے قرآنی میں قبولیت عامہ کا شرف حاصل کر چکا ہے۔

محترم عربی زبان کے استاد کی ڈگری ضرور رکھتے اور نمایاں کرتے ہیں، مگر ڈگریاں انسان کے فطری سہو و خطا کی کمزوریوں کو رفع نہیں کر دیا کرتیں۔ اور نہ ہی زبان پر دسترس لازمی طور پر شعور وعلم کی بند گتھیاں کھول کر کوتاہیوں کو دور کر دیتی ہے۔علم کے بلند درجے پر پہنچ کر بھی ہم نہ تو ذاتیات پر اترنے سے اپنے قلم کو روک پاتے ہیں اور نہ ہی کسی علمی مبحث کو اسہتزا کی سطح پر گرائے بغیر ،صرف علمی اور تحقیقی معیار پر پرکھ پاتے ہیں۔ طبعی رجحانات، منجمد عقائد، ورثہ میں حاصل شدہ مذہبی شعائر، تاریخ و معاشرت کے اثرات وہ عناصر ہیں جن سے انسانوں کی سوچیں مقید رہتی ہیں۔اور انسان فکری صداقتوں کی انقلاب انگیز روشنی سے محروم رہتے ہیں۔ ارتقائی عمل Stagnation کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایک مرگ آفریں اندھیرا چہار سو مسلط رہتا ہے۔ اس احقر کی طرح محترم بھی انسانی غلطیوں کے مرتکب ہیں ۔ کیونکہ قرآنی فکر کے حامل ہونے کے باوجود "اسلاف" کی تقلید کے سحر میں کافی حد تک گرفتار ہیں۔

تاریخ سے تو کافی نابلد نظر آتے ہیں ۔ جناب کے خط کے پہلے صفحہ پر دوسرے پیرے میں بھی یہ بات نوٹ کی گئی ، جہاں رقمطراز ہیں کہ:

"مقالہ نگار کے نزدیک صلوٰۃ ، جسکا ہمارے اسلاف نے نماز کا نام تجویز کیا تھا، اور اسی نام سے آج بھی معروف ہے، ایک عمل پرستش ہے، جو نہ تو صلوٰۃ کے زمرے میں آتا ہے اور نہ ہی اس کا صلوٰۃ کے قرآنی اور لغوی معانی سے کوئی تعلق ہے"

اب محترم کے خط کشیدہ بیان کے بارے میں تین معروضات پیش کرونگا:

1۔ اولاً "ہمارے اسلاف " کون تھے؟ اس ناچیز کی کتاب " تحقیق نماز وصلوٰۃ "میں ان گرامی قدر"اسلاف"کے چہروں سے تمامتر اسناد کیساتھ نقاب کشائی کی جاچکی ہے۔غور سے پڑھ لیں۔ اور درخواست ہے کہ ایسے ننگ ملت وننگ دین افراد کے حوالے دینے سے صرف نظر فرمایا کریں۔

2۔ ثانیاً ، قرآنی لوگ صرف اور صرف قرآن کو حجت مانتے ہیں اور "اسلاف" کی قسم کے کسی فانی انسان کے قول کو قول فیصل یا حرف آخر ماننے سے انکار کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ شرک کی علامت ہے۔

3۔ ثالثاً جناب محترم کی خوش فہمی کی تصیح کرتا ہوں کہ نماز فارسی (پہلوی) زبان کا لفظ ہے اور فارسی دان حملہ آوروں اور حکمرانوں کے ذریعے برصغیر میں اردو زبان میں منتقل اور مستعمل ہوا ہے۔"اسلاف " کیونکہ عربی زبان بولتے تھے اس لئے انہوں نے ہرگز یہ لفظ تجویز نہیں کیا تھا۔عرب اور عالم عرب پہلے بھی اسے صلوٰۃ ہی کہتے تھے اور آج بھی یہی کہتے ہیں۔ اب فرمائیے کہ آپ کے اسلاف کیا ایرانی تھے؟ اور کیا ہم اور آپ اس فارسی لفظ کو ماننے اور بولنے کے مکلّف ہیں جو آج بھی پارسیوں کے ہاں آگ کی پرستش کیلیئے بولا جاتا ہے؟ اور جناب عالی ، "صلوٰۃ موقت" کی اختراع کن اسلاف کی تجویز کردہ ہے؟ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟ پورے اسلامی لٹریچر میں تو جناب من یہ اصطلاح کہیں درج نہیں ہے؟ صرف آجکل کے اہل قرآن کے ہاں ہی اسکا کچھ سراغ ملتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ناچیز کی کوشش ہے کہ جناب کے اٹھائے گئے تمام نکات کا مختصراً جواب پیش کر دیا

جائے۔ اس کیلئے جناب کے نکات اور اعتراضات کی سرخیاں بنا دی گئی ہیں، جن کے تحت متعلقہ جوابات و توضیحات پیش کر دی گئی ہیں، گر قبول افتد زہے عز و شرف :۔

(1) الصلوٰۃ در اصل نماز ہے یعنی عمل پرستش (صفحہ 3و2)۔ المعجم الوسیط کا حوالہ

الصلوٰۃ دراصل کیا ہے؟ اس پر ڈھیروں مواد لکھا جا چکا ہے۔ جناب کی نظر سے کیوں نہیں گذرا۔ دیکھئے ڈاکٹر قمر زمان کی "حقیقت صلوٰۃ" مطبوعہ لاہور اور عزیز اللہ بوھیو صاحب کی "صلوٰۃ کے وہ معنی جو قرآن نے بتائے" مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی ، نوشہرو فیروز ۔ سندھ۔ کچھ نہ کچھ برائے فوری حوالہ یہ احقر بھی دہرائے دیتا ہے۔

الصلا: پشت کا درمیانی حصہ، کولہے کی ڈھلوان یا وہ حصہ جس پر جانور کی دم لگی ہوتی ہے۔ (تاج)

الصلا کی نسبت سے صلی الفرس تصلیہ: یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب گھڑ دوڑ میں دوسرے نمبر کا گھوڑا ، پہلے نمبر کے پیچھے پیچھے اسطرح دوڑ رہا ہو (متابعت ، پیروی) کہ پچھلے کی کنوتیاں اگلے کے سرین سے مل رہی ہوں۔ آگے والے کو سابق کہتے ہیں اور دوسرے کو المصلی ۔ (تاج) لہذا تصلیۃ کے معنی ہیں اگلے کے پیچھے اس طرح چلنا کہ دونوں میں فاصلہ نہ ہو ۔ لیکن پیچھے والا آگے والے سے آگے نہ بڑھے۔ بلکہ وابستگی سے اس کا اتباع کرے۔اسی بنا پر امام راغب نے کہا ہے کہ "لم نک من المصلین" (74/43) کے معنی ہیں "ہم انبیاء کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے"۔ (راغب)

صلی و اصطلی : کے معنی لزوم یعنی وابستگی کے ہیں۔(تاج)

اسی جہت سے صلوٰۃ کے معنی ہونگے احکام الٰہی سے وابستگی ۔ حدود اللہ کے اندر رہنا اور کتاب اللہ سے چمٹے رہنا۔ (تفسیر قرطبی)

صلی علیہ: اس کی تعظیم کرنا۔ حوصلہ افزائی کرنا۔ پروان چڑھانا۔ نشوونما دینا۔ (راغب) یقیناً "اس پر نماز پڑھنا" یہاں مہمل ہوگا۔

صلو علیہ وسلمو تسلیما: یقیناً "اس پر نماز پڑھو" یہاں بھی بے معنی ہوگا۔

صلوتک سکن لھم: "تیری نماز ان کے لئے تسکین کا موجب" یہاں بھی مہمل ہوگا۔ درست

ترجمہ یہی ہو گا کہ تیری حوصلہ افزائی، تیری تبریک و تحسین ، تائید ان کے لئے موجب سکون ہے۔

سورۃ نور: ـــــــــ وا لطیر صفت کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ ط اور صف در صف پر ندے سب اپنے اپنے فرائض ، اپنے نصب العین حیات اچھی طرح جانتے ہیں۔ یقیناً پرندے اور دیگر جمادات جن کا ذکر آیت مبارکہ میں کیا گیا، نہ تو تسبیح گلے میں لٹکائے ہوئے ہیں اور نہ ہی نماز تین یا پانچ بار پڑھتے نظر آتے ہیں۔ یہ چھپ کر یقیناً پرستش نہیں کرتے ہونگے کیونکہ آیت مبارکہ "الم تر" سے شروع ہو رہی ہے۔ یعنی جو کچھ پرندے وغیرہ کرتے ہیں، نظروں کے سامنے ہے۔

ان تصریحات سے صلوٰۃ کا بنیادی مفہوم یعنی پیروی و اتباع احکام الٰہی ، حوصلہ افزائی، تائید و نصرت اور نصب العین حیات، فرائض منصبی و غیرہ ثابت ہیں۔ آپ کیسے پوجا یا پرستش یا دعا یہاں داخل کر سکتے ہیں؟

(2) "موقوت" کا لغوی معنی "حدود مقرر کردہ" نہیں ہے:

الوقت: کسی کام کیلئے مقررہ زمانے کی آخری حد۔ (راغب)

الوقت و التوقیت: وقت یا حد مقرر کرنا۔

المیقات: مقررہ وقت کو بھی کہتے ہیں۔ مقررہ مقام کو بھی۔ چنانچہ میقات الحاج حاجیوں کے احرام باندھنے کے مقام کو بھی کہتے ہیں۔ (تاج)

میقات: حدود مکہ کو کہتے ہیں جہاں حاجی احرام باند ھ لیتے ہیں۔ (لغات القرآن)

الموقوت: حدود مقرر کردہ چیز کو کہتے ہیں۔ یعنی جس چیز کی حد مقرر ہو (ابن فارس)

عربی میں وقت کے معنی میں ٹائم اور حد اور مقام حدود سبھی کا عنصر موجود ہے۔ صفحہ 3 پر عصمت صاحب نے بھی "وقت میں محدود" کا ذکر کر کے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ اور صفحہ 5 لائن 13 پر "میقات کا معنی مقررہ حد" لکھ کر خود اپنی شکایت و اعتراض کی نفی کر دی ہے۔ اور اس عاجز کے موقف کو تسلیم کر لیا ہے۔ تو پھر شکوہ؟ چہ معنی دارد؟ اسے ہی تو مخالفت

برائے مخالفت کہا جاتا ہے۔ یعنی علمیت کا عنصر غائب اور مسلکی اندھے تعصب کا عنصر غالب؟ جناب کی پوری شکایت جناب نے خود ہی بے حقیقت ثابت کردی۔ اب سوال یہ رہ گیا کہ کس جگہ کونسا معنی لیا جائیگا۔ یہ اس مقام کا سیاق و سباق متعین کرے گا۔ صلوٰۃ کے مستند معانی کے لحاظ سے موقوت ہرگز وقت (ٹائم) کے معانی میں فٹ نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ کے احکامات کا نفاذ و اتباع ہمہ گیر اور ہمہ وقتی فریضہ ہے اور کسی ٹائم فریم سے پابند نہیں۔ البتہ جہاں صلوٰۃ کے غیر مستند، مبنی بر روایات، پرستش کی رسم کے معنی لئے جائینگے، وہاں ہی وقت (ٹائم) کے تعین کا سوال اٹھے گا۔ جیسا کہ ہم عصمت صاحب کے مضمون میں اٹھتا ہوا پاتے ہیں۔ اور جسے قرآنی سند و جواز حاصل نہیں ہے۔

<u>ھِیَ مواقیت للناس والحج:</u> یہاں پھر مواقیت وقت کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ یہاں بھی یہ حدود یا پیمانے ہیں انسانیت کیلئے اور آخری حجت کیلئے ۔ کیوں کہ "اوقات ہیں انسانوں کیلئے اور آخری حجت کیلئے" یہاں مہمل ہوگا۔ بے معنی ہوگا۔

<u>یوم الفصل کان میقاتاً:</u> فیصلے کا دور یا زمانہ متعین / مقرر ہے۔

وقت (ٹائم)، عربی زبان میں، بہر حال حدود کا تعین ہی کرتا ہے اور بنیادی طور پر زمان و مکان اور حوادث و فرائض کی حدود ہی مقرر کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی گئی بحث و تحقیق سے بالکل واضح ہے۔ صلوٰۃ کے ضمن میں لفظ موقوت کے معنی بیان کرنے میں اس احقر نے صلوٰۃ کے حقیقی معنی ہی کے تناظر میں فیصلہ کیا تھا۔ جہاں وقت (جو اردو میں عموماً بمعنی صرف ٹائم ہی لیا جاتا ہے) مستنبط نہیں کیا جا سکتا ۔وقت اردو زبان میں ، عموماً صرف ٹائم ہی کے معاملے میں مستعمل ہے اسی سے موقت بھی جسکا لاحقہ صلوٰۃ کے ساتھ لگا کر ایک مخصوص اصطلاح قائم کی گئی ہے، اردو پیرائے میں وقت مقرر کردہ ہی کا معنی دیتا ہے ۔ اسی کی شکایت کی گئی تھی ۔ البتہ وضاحت میں کمی ضرور رہ گئی تھی جسکا اعتراف کرنے میں اس ناچیز کو قطعاً بھی کوئی عار یا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ کوئی دعویٰ مہارت تامہ کا یا کوئی خبط عقل کل ہونے کا یہ عاجز اپنے تئیں نہیں رکھتا۔ جناب کی تحریر سے ضرور ایک گونہ زعم عیاں ہے جسکی کو کوئی بنیاد موجودہ تحقیق سے ثابت نہیں ہو سکی۔

(3) الصلوٰۃ (یعنی نماز) کے عبادت ہونے کا انکار ممکن نہیں۔ نیز اسکا معنی الدعا والعبادۃ بھی ہے(صفحہ 3و4)

جناب کی عربی یہاں تو بالکل اپنی اصل سے بہت دور چلی گئی ہے۔ یہ انکار قطعی ممکن ہے۔ عبادت کا درست لغوی معانی اس نکتے کو بآسانی حل کر دیتا ہے۔ اور وہ کچھ اسطرح ہے:۔

ثلاثی مجرد:ع ب د: عبد: بمعنی بندہ ، غلام،محکوم، اطاعت شعار، فرماں بردار وغیرہ ہے۔ دور نزدیک کہیں سے بھی اس مادے (Root) کا معنی ومفہوم پرستش نہیں ہے جو کہ آپ لفظ عبادت سے مراد لے رہے ہیں۔ آپ کی نماز عبادت نہیں ہے۔ پرستش ، پوجا پاٹ، Worship، prayerوغیرہ ہے۔ ہاں الصلوٰۃ کا حقیقی قرآنی معنی یعنی احکامات الٰہی کا اتباع یقینی طور پر عبادت ہے۔ کیونکہ اقامت الصلوٰۃ کی رو سے احکام کی اطاعت ، محکومی، فرماں برداری قائم کی جاتی ہے۔ انہیں صرف پڑھا یا ان کے ذریعے پرستش کا عمل نہیں کیا جاتا۔

(4) دعا ایک بے سود عمل نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن میں دعائیں بیان ہوئی ہیں۔(صفحہ 4)

دعا ایک بے سود عمل ہی ہے۔ کیونکہ کم از کم ایک ارب مسلمان کی روزانہ پانچ بار، اور آپ کی تین بار، کی دعاؤں کے نتیجہ میں کوئی سود امت مسلمہ میں کہیں حدِ نگاہ تک نظر نہیں آتا۔ زیاں ہی زیاں چہار سو مسلط ہے۔ یعنی محتاجی، غلامی ، بھیک پر گذارا، بھوک سے خود کشیاں، ابن الوقتی ، حرام اور منافقت کی کمائیاں ،ضمیر ، وطن اور دین فروشی وغیرہ وغیرہ۔

قرآن میں جو دعائیں بیان ہوئی ہیں، ان کے ساتھ مقاصد کے حصول کیلئے قرآنی ہدایات پر عمل کرنا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔ "فلیستجیبو لی والیومنو بی لعلکم یرشدون"(2/186) کا یہی مطلب ہے ۔ کیونکہ دوسری جگہ ضروری وضاحت بھی کر دی کہ "یستجیبو اللذین آمنو و عملو الصلحت "(42/26) یعنی دعا انہی کی پوری ہوتی ہے جو اہل امن و ایمان بنتے ہیں اور تعمیری اعمال سرانجام دیتے یں۔ ہم سب یہ کام نہیں کرتے۔صرف زبانی منتروں کے رٹوں کے ذریعے غیب سے کوئی جادو نازل ہونے کا صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں۔

(5) کتاب کا مطلب قانون نہیں بلکہ فریضہ ہے۔ کیا قانون یا کتاب بھی کسی کے ذمے لگائی

جاتی ہے؟(صفحہ 4)

جی ہاں۔ قانون (یعنی کتاب) بنایا ہی اسلیئے جاتا ہے کہ پوری قوم کے ذمہ اسپر عمل درآمد لازمی قرار پائے۔ یہی کسی بھی قانون کی غرض و غایت ہوتی ہے۔ نیز قانون کے معنی کے اندر ہی فریضہ بھی آجاتا ہے۔ قانون اور فریضہ تقریباً ہم معنی ہیں لیکن استعمال کی نوعیت کے معمولی فرق کے ساتھ۔ اتنی سادہ اور معمولی بات آپ جیسے علمی درجہ کے حامل کو سمجھانے پر مجبور ہونا اس عاجز کیلیئے ایک طفلا نہ جسارت ہے اور شرمساری کا باعث بن رہا ہے۔ لیکن اسکا کیا کیجیئے کہ جناب کا طفلانہ سوال سرخی پر موجود ہے۔ اور اب معانی کی کچھ تحقیق کر لیتے ہیں:

کتاب : کتب: لکھا۔ لکھ دیا۔ لکھ دیا گیا۔ یعنی قانون اور لازمی فریضہ بنا دیا۔

الکتاب (قرآن کریم): یعنی قانون خداوندی یا ضابطۂ قانون خداوندی۔

کتب علیکم الصیام(2-183) : کتب علیکم القصاص (2-178) : فرض اور ضروری قرار دیا گیا تمہارے لئے۔یعنی قانون بنا دیا گیا ۔ لازم کر دیا گیا۔

ابن فارس نیز صاحب لطائف اللغۃ: نے بھی الکتاب کے معنی الفرض اور الحکم لکھے ہیں۔ لہذا جب قرآن حکیم کو کتاب کہا گیا ہے تو اس کے معنی ضابطۂ قوانین کے ہیں۔

لکل امۃ اجل(10/66) : ہر قوم کیلیئے ایک میعاد ہے۔

لکل اجل کتاب(13/38) : ہر میعاد کیلیئے اللہ کا ایک قانون ہے۔ یعنی قوموں کی موت و حیات اللہ کے قانون کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ جو قوم چاہے اس قانون کے مطابق اپنی اجل بڑھالے یا گھٹا لے۔

و ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاباً موجلا (3/144): کوئی شخص خدا کے قانون طبعی کے بغیر نہیں مر سکتا۔ یہی قانون اس کی میعاد کا تعین کرتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ قانون کو فریضہ کے مرادف بھی نہیں کر سکتے ۔ یہاں کتاب صرف اور صرف قانون ہی ہے: دونوں میں جو فرق مانا گیا تھا وہ یہاں واضح ہو گیا۔

وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب(35/11) : عمر کا گھٹنا بڑھنا خدا کے مقرر کردہ

قانون طبعی کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی قانون کا علم انسان کو دیا گیا ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس کے مطابق اپنی عمر بڑھالے۔ جس کا جی چاہے اسے گھٹا لے۔

پھر کیا ان تمام درج ذیل جگہوں پر کتاب کو آپ اپنا مختص کردہ واحد معنی "فریضہ" دے سکیں گے؟

کتب مبین، الکتاب با الحق، الکتاب مفصلا، کتب انزلنا مبارکا، الکتب الحکیم، الکتب لاریب فیہ، کتاب احکمت آیتہٗ، کتاب عزیز، الکتب تبیانا لکل شيء، احسن الحدیث کتبا متشا بہا مثانی ۔ ہرگز نہیں۔ البتہ قانون ، مجموعہ قوانین یا ضابطہ قوانین ان سب مقامات پر بسہولت کہا جا سکتا ہے۔

الصلوٰۃ کتاب ہی ہے یعنی قانون، جیسا کہ مقالے صلوٰۃ موقت (خود فریبی یا خدا فریبی) میں متعلقہ آیت مبارکہ کے ترجمے وتحلیل میں وضاحت کی گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ اسلامی مملکت کیلئے حتمی قانون ومنشور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور "اقیمو" کہہ کر تمام ہدایات و احکامات الٰہی کی پیروی و اتباع کے نظام کے قیام کا حکم دیتی ہے۔ غلط معنی پہنانے کا بچگانہ الزام تو صرف مسلکی پیروکاروں پر لگائیے ۔ جس کا قرآن کے علاوہ نہ کوئی مسلک ہو نہ فرقہ، وہ بھلا کیوں غلط معنی پہنائے گا؟ اس کو آپ کی مانند ایک ماقبل قائم کردہ ذاتی عقیدہ کی تثبیت کرنے کی حاجت تو ہے ہی نہیں۔ ہاں یہ حاجت جناب کے فرقہ اہل الذکر و القرآن کو ضرور ہے جن کی عربی دانی انہیں یہ بھی نہیں بتاتی کہ "الذکر" معرف با لام ہونے کی جہت سے وہ اصطلاح بن جاتا ہے جو قرآن ہی کا دوسرا نام ہے اور باری تعالیٰ نے کئی بار قرآن کیلئے استعمال فرمایا۔ مثلاً "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون" (15/9)۔ اس اصطلاح کو بطور نام استعمال کرنے سے وہ دراصل "اہل القرآن و القرآن "یعنی "اہل دو قرآن"بن جاتے ہیں۔ 45 نکات کی نئی نماز ایجاد تو کر دی گئی ہے لیکن اسکا ماخذ کونسی نئی معراج بنی ہے؟ اور کون حضرت آسمانوں سے اسے Import کر لائے ہیں، یہ بھی تو بتایا جائے؟ پرانی نماز بھی تو روایات ہی سے آئی تھی اور معراج میں فرض ہوئی تھی۔ تمام تفاصیل و ارکان جبریل نے حضور کو خود سکھائی اور پڑھائی تھیں۔ ان تین عجیب وغریب نمازوں کو سکھانے کونسا جبریل نازل ہوا تھا؟

کچھ وضاحت فرمائیں۔

(6) کتابا موقوتا مرکب توصیفی نہیں ہے بلکہ یہ کہنا انکشاف ہے۔ (صفحہ 1 چوتھا پیرا)

یہ انکشاف والی بات بھی ظاہر ہے کہ صرف مسلکی تعصب کی خاطر گھڑلی گئی ہے۔ وگرنہ کوئی جواز و ثبوت اس کے مرکب توصیفی ہونے کے خلاف نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی عربی گرامر کے قواعد کی اتنی ننگی خلاف ورزی کرنا ممکن ہے۔

(7) جنگ کے محاذ پر بھی نماز فرض ہے اور اس میں تخفیف بھی ہے۔(صفحہ 4)

بحث کو طول دینا غیر ضروری ہے کیونکہ صلوٰۃ کا قرآنی معنی ڈسکس ہو چکا ہے۔ اس خاص آیت کی سیر حاصل تشریح کیلئے دیکھیں حقیقت صلوٰۃ از ڈاکٹر قمر زمان ۔صفحات 120 تا 129۔ امید ہے تسلی بخش جواب پائینگے۔

(8) قرآن مجید میں صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ العشاء کا ذکر ہے یہ دونوں اوقات ہیں جن میں صلوٰۃ ادا کیجاتی ہے۔ (صفحہ 5)

نہایت آسان پیرائے میں یہاں سیاق و سباق کے مطابق " صبح و شام کی فرائض منصبی کی شفٹوں میں ادائیگی" کا مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ نمازیں ہوتیں تو پھر ظہر کا ذکر نماز کیساتھ کیو ں نہ کیا گیا؟ اسے صرف "ظہیرۃ" کیوں کہہ دیا گیا؟ متعلقہ آیت کے گہرے معانی مذکورہ کتاب کے صفحہ 174 پر دیئے گئے ہیں ۔ ملاحظہ فرمالیں۔

(9) اقم الصلوٰۃ لدلوک الشّمس الی غسق الیل۔۔۔۔۔۔۔۔۔آیت 17/78 (صفحہ 5)

فرماتے ہیں یہ بھی نماز کے مقررہ اوقات کا ذکر ہے!! کن اوقات کی طرف اشارہ ہے؟ "حیراں ہوں د ل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں"۔ دلک سور ج کی حرکت یا چال ہے ۔ اور اگر آیت کو صلوٰۃ کے من گھڑت معنی نماز میں لیا جائے تو پھر اس حکم کے تحت سور ج نکلتے ہی نماز شروع کر دی جائے اور شب کی تاریکی تک مسلسل پڑھی جائے۔ روزی رساں اللہ کی ذات ہے۔ وہ اس پر چھوڑ دی جائے ۔ اسی کو کہا جاتا ہے عقل وعلم وشعور کی توہین۔ اندھا عقیدہ ۔عقل کی جگہ نقل پر زندگی گزارنا ۔ ذہانت اور فطانت کے اس عالم میں دیکھیئے زبان کی درازی کہ الفاظ استعال فرماتے ہیں" آیت کے معنے بدلنے کی کوشش قابل مذمت حرکت ہو

گی" ۔ صلوٰۃ کے معنی نماز بنا دینے میں جناب نے پھر بذات خود کیسی حرکت کی ہے؟ کہاں سے لائے ہیں یہ معنی ؟ اور اسی ہوائی معنی کو بنیاد بنا کر سارا قرآنی انقلابی فلسفہ تہ و بالا کر کے انسانوں کو صرف پانچ منٹ کی اٹھک بیٹھک پر لگایا ہوا ہے؟ حفظ مراتب ، تکریم الناس، خلق عظیم سب فراموش کر چکے ہیں کیونکہ "نماز "پڑھ لیتے ہیں؟ دیکھیئے حقیقت صلوٰۃ ۔ (صفحہ 157/158)

(10) مواقیت الحج کا مطلب حج کے مقامات اور اوقات ہیں(صفحہ 5)

حج آپ لوگوں کے ہاں پھر اسی فرسودہ رسم پرستش (یعنی مذہبی Ritual) کے زمرے میں آتا ہے۔ جب کہ اس کے مادے سے حجت ، حاجت، احتجاج وغیرہ مشتق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی کی نظریاتی تعلیمات پر مبنی نظریاتی ادارہ (البیت) قائم کرنے اور اسکے قواعد و ضوابط مقرر کر لینے کے بعد حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ "اذن فی الناس با الحج (22/27)"۔تو مراد یہ تھی کہ اس الہی نظریاتی ادارے کے ذریعے فکری سطح پر تمام انسانیت کیلیئے اتمام حجت کا راستہ کھول دیا جائے۔ اور اس پیغام میں مضمر انسانی منفعت و بھلائی کا انہیں مشاہدہ کروا کر (لیشہدو منافع لہم) اتفاق رائے پر مبنی ایک مربوط نظام صلوٰۃ (ربنا لیقیمو الصلوٰۃ) کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ ایک جاری پروسیس تھی۔ اسکا کوئی وقت مقرر کرنا جب تمام عوام کا اژدھام ایک ہی وقت پر پیدا ہو کر ان گنت مشکلات نظم و نسق اور مسائل ترسیل رزق و حاجات پیدا کرے، ہرگز منشائے خداندی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے مواقیت الحج کو حج کے زمانے ، سیزن یا اوقات سے منسلک کرنا قطعی غیر شعوری سوچ معلوم ہوتی ہے۔ یہاں بھی پیمانے یا حدود یا دائرہ کار زیادہ منطقی اور قرین عقل معانی معلوم دیتے ہیں اور اپنی سند رکھتے ہیں۔ویسے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ لوگ معانی کی تفہیم کو ماقبل میں گھڑے ہوئے عقائد کے تابع رکھنے کے عادی ہیں۔ قرآن کی حقیقی تعبیرات جو 40ہجری کے فوراً بعد آمریت کے آغاز کے ساتھ ہی گم کر دی گئی تھیں(کیونکہ آمریت اور قرآن شانہ بشانہ چل ہی نہیں سکتے تھے)، صرف اور صرف حریت فکر، اور دیانت دارانہ بے لاگ تحقیقی عمل کے ذریعے ہی دریافت کی جا سکیں گی۔ تقلیدی سوچوں اور انتہائی تنگ نظری کے ذریعے ہرگز نہیں۔

(11) نماز کے اوقات مواقیت الصلاۃ کہلاتے ہیں(صفحہ 5)

قرآن میں کس جگہ یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے، نشاندہی فرمائیں۔ ورنہ اس غلطی کی بھی تصیح فرمالیں۔

(12) فرقہ اہل قرآن کو مطعون نہیں کرنا چاہیئے ۔ نبی کریم نے امت کو صرف قرآن دیا تھا لہذا سب مسلمان اہل قرآن ہیں(صفحہ 6)

فرقہ اہل قرآن کو ان کے اس نام کی مناسبت سے ہم قرآنی لوگ اپنے ساتھیوں میں سے باور کرتے ہیں۔ لیکن وائے افسوس کہ ان کا عمومی رویہ قرآن کے نام پر فرقہ پرستی اور مولویانہ اسلوب کا فروغ ہے۔ جس کی وجہ سے شکایت پیدا ہوتی ہے۔ مطعون کا لفظ جناب نے ذرا سخت قسم کا ستعمال کیا ہے اور زیادتی ہے۔ دراصل اس ناچیز اور ساتھیوں کا اصل مقصود ومنتہا قرآنی جماعتوں یا ہم خیالوں کی وحدت و اتفاق باہمی ہے۔ اہل قرآن کی مولویت اس راہ میں سد بن کر کھڑی ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے قرآنی لوگ کوئی قابل ذکر پیش رفت اصل مقصد حیات کی طرف کرنہیں پار ہے۔ انسانیت کو غلامی اور جبرو استحصال سے نجات دلانا ہی قرآن کا پیغام اور ہمارا اولین فریضہ ہے۔ اس کیلئے ایک مضبوط قرآنی سیاسی پلیٹ فارم ضروری ہے۔ تاکہ آئینی چھتری تلے اقتدار کی بلند مسانند تک پہنچا جائے اور با لآخر ایک روز حکومت الہیہ کا قیام ممکن ہو سکے۔ ایک فلاحی، رفاہی اور اصلاحی نظام تب ہی نافذ کیا جا سکیگا جب قوت نافذہ بے لوث قرآنی قیادت کے ہاتھوں میں ہوگی۔فرمائیئے کہ اس اصل نصب العین کیطرف آپکے اہل قرآن نے کوئی ایک قدم بھی اٹھایا ہے؟ آپ تو اس کے برعکس وہی فرسودہ نماز و تسبیح ، ذکر و اذکار، دعاو مناجات پر وہی مولویانہ روش رغبت رکھتے ہیں اور اسی کا ایک نئی نماز ایجاد کر کے پر چار فرمارہے ہیں۔یہی روش بنو امیہ کے زمانے سے امت مسلمہ میں مروج ومتوارث چلی آتی ہے اور صرف مولویوں کی پیدائش ، پرورش اور عروج کی ضامن ہے۔ جبکہ قوم پر غلامی اور آمریت کے تسلط کو دوام بخشتی ہے۔

"(13) اہل حدیث ، اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع قرآن کے خلاف محاذ ہیں۔ کیونکہ انہیں قرآن سے انتساب پسند نہیں۔(صفحہ 7)

یہاں پھر جناب سے سہو کا ارتکاب ہوا ہے۔ انتساب تو یہ سب قرآن ہی سے کرتے ہیں اور ان کی مجال نہیں کہ قرآن کو نظر انداز کر کے امت کے اجتماعی دھارے سے اپنے آپ کو الگ کر لیں۔ یہ سب قرآن کا نام پہلے لیتے ہیں اور سنت و حدیث کا بعد ازاں۔ حتی کہ یوم عاشورہ پر شام غریباں کے سوگ کے نقطہ عروج پر بھی مرکزی بیان یا مرثیہ کا 90 فیصد حصہ قرآنی کلام ہی کی تشریح اور بیان پر مشتمل ہوتا ہے۔ اصل مسئلہ وہی ایک طاقتور قرآنی مقتدرہ کا موجود نہ ہونا ہے۔ جو تمام فرقہ پرستانہ معاملوں پر آخری فیصلے کرے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی قدرت اور وسائل رکھتی ہو۔ بھانت بھانت کی بولیاں بند کرانے کی قوت رکھتی ہو۔ طاقت سے نہیں۔ اپنی کارکردگی سے خوشگوار اور حیرت انگیز نتائج دکھا کر۔

اخلاص نیت سے غور و فکر فرمائیں۔ غلطیوں سے پھر ایکبار مطلع فرمائیں۔ حضرت انسان کی بے ثباتی سے متعلق دو اشعار کے ساتھ مضمون ختم کرتا ہوں:

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا ۔۔۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا ۔۔۔ مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے